

تلفیض وانتخاب : ادارہ الحق

قربانی
اور
اسلام

۔ شیخ الطریق مولانا مفتی محمد حسن امرتسری
۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ
۔ شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری
۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

جان کے بدلے جان کی قربانی

مولانا مفتی محمد حسن امرتسری

حضرات! میں چند ہفتوں سے قربانی کے متعلق جس چیز کو رد رہا ہوں وہ عمل قربانی کو نہیں، بلکہ میں عقیدہ قربانی کو رد رہا ہوں۔ انگریزی اخبارات میں متعدد بار اور مسلسل اس کے خلاف مضامین چھپتے رہے۔ اور میں اپنے احباب سے برابر پوچھتا رہا کہ کیا کسی اخبار نے اس کا کوئی جواب لکھا۔ مگر مجھے یہی معلوم ہوتا رہا کہ تمام اخبارات اس کی طرف سے خاموش ہیں۔ جو شخص اس کے خلاف لکھ رہا ہے، اور قربانی کو رسم بد اور فساد فی الارض کہہ رہا ہے۔ کہ قربانی کی بھی ایک رسم بد پل پڑی ہے جس طرح تراویح کی رسم بد پل پڑی۔ یہ شخص بارہ سو برس کے اجماعی عقیدہ کا انکار کر رہا ہے۔ جو عقیدہ ابتدائے اسلام سے لیکر آج تک مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ رہا یہ شخص اس کو فساد فی الارض کہہ رہا ہے۔ عرض یہ لوگ اس عقیدہ کو مسلمانوں کے دلوں سے نکال دینا چاہتے ہیں۔ لیکن عقیدہ ہی وہ پیر ہے جسکی دوستی ہی سے مسلمان مسلمان رہ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ قربانی ضروری ہے۔ مگر باوجود استطاعت کے اس کو نہ کہتا ہو تو اس شخص کی نجات ہو جائے گی۔ مگر جو شخص ایسا ہو کہ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ قربانی اصراف مال ہے۔ اور بیکار نفل ہے۔ پھر اگرچہ اس عقیدہ کے ساتھ وہ قربانی ہمیشہ کرتا رہے مگر اس قربانی عقیدہ کی بناء پر ابد الابد تک جہنم میں رہے گا۔ تو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ قربانی ہر غنی پر واجب اور ضروری ہے۔ ورنہ دائرۃ اسلام میں رہنا ناممکن ہے۔ اور یہ نہر ایسا پھیلا ہے کہ میرے اس باہر سے بھی خطوط آتے رہے ہیں۔ یہ الفاظ کہ ”قربانی بھی ایک رسم بد پل پڑی ہے جس طرح تراویح مسلمانوں میں ایک رسم بد پل پڑی کفر کے الفاظ ہیں۔ تو غرض عمل و عقیدہ میں بڑا فرق ہے۔ عمل کو ترک کر دینے سے نجات کی امید ہے۔ مگر عقیدہ ترک کر دینے سے نجات ہی نہ ہوگی۔ جب عقائد اسلام پر حملہ ہو

تو ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ اسلام کی مدد کرے۔ اور حقیقت میں یہ اسلام کی مدد نہ ہوگی، بلکہ خود اپنی مدد ہوگی۔ اپنی جان کی مدد ہوگی اپنی آخرت کی مدد ہوگی۔

ہم یہ جو قربانی فرض کر دی گئی وہ اسی نسبت ابراہیمی کو زندہ کرنے کے لئے جب کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”سنتہ ابراہیم“۔ تو چونکہ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی میں گوشت مقصود نہ تھا بلکہ جان دینا تھا۔ اسی لئے ہمارے لئے بھی حکم ہے کہ قربانی کی جان دینا مقصود ہے۔ جو اصل میں بدل ہے اپنی جان کا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کہتے چلے جاتے ہیں کہ اگر کسی نے قربانی کا سارا گوشت خود ہی رکھ لیا اور اس کی کھال بھی اپنے ہی استعمال میں لے آیا۔ تب بھی قربانی ہو گئی، دوسرے صدقات تو مال کو ملک سے سے نکالنا مقصود ہے۔ لیکن اس جگہ مال تو ملک میں رہتا ہے۔ تو جب گوشت بھی اسی کی ملک رہا اور کھال وغیرہ بھی اسی کی ملک میں رہی۔ تو آخر اس کے پاس سے کیا چیز نکل گئی، جس کا ثواب ملا؟ تو ظاہر ہے کہ صرف قربانی کی جان نکلی ہے۔ اور یہی مقصود ہے قربانی کا۔ اس لئے اسکو دوسرے صدقات پر قیاس کر کے یہ کہنا کہ اتنا گوشت ضائع ہو رہا ہے۔ حاققت ہے۔ کیا جس مال کے خرچ کرنے سے اللہ مل جائیں وہ مال ضائع ہوگا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تنوا اونٹ قربان فرمائے اور تنوا اونٹ قربانی فرمانے میں ایک حکمت یہ تھی کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے اور اس سے خون بہا یعنی خون کا بدلہ دیا جائے تو شریعت نے ایک انسانی جان کا خون بہا تنوا اونٹ مقرر فرمائے ہیں۔ اور اس مقدمہ پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے۔ تو گویا آپ نے تنوا اونٹ قربانی فرما کر یہ بتا دیا کہ قربانی دراصل انسان کی جان کا بدلہ ہے۔ اور یہ تنوا اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جان کا بدلہ دیا۔ تو اصل گوشت پوست نہیں بلکہ جان دینا ہے۔ اب جب یہ بات سمجھ میں آگئی۔ اور خدا کرے کہ سمجھ میں آگئی ہو کہ قربانی دراصل جان کے قائم مقام ہے تو اب سمجھئے کہ اگر آپ قربانی کی بجائے صدقہ دیں تو کیا صدقہ قربانی کا بدلہ ہو سکتا ہے، اور کیا یہ صدقہ جان کا بدلہ ہو سکتا ہے۔؟ کیونکہ آپ نے لاکھ روپے بھی صدقہ دیا آپ کی جان کی قیمت نہیں، کیونکہ اگر کسی شخص کو لاکھ روپیہ اس شرط پر دیا جائے کہ تم اپنی جان دے دو۔ تو وہ ہرگز اس پر راضی نہ ہوگا۔ تو اب خداوند تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ انہوں نے قربانی کو جان دینے کا بدلہ بنا کر بڑا احسان کیا کہ جو اجر و ثواب کروڑوں روپیہ خرچ کر کے بھی نہ ملتا وہ چند روپے خرچ کرنے سے عطا فرما دیتے ہیں۔

اب جو مخالفین کہہ رہے ہیں کہ روپے خیرات کر دو۔ کیا کوئی ذبی ہوش یہ خیال کر سکتا ہے۔ یہ قیمت اور روپے قربانی کے (یعنی جان دینے کے) برابر ہو جائیں گے۔ اگر کروڑ روپے بھی کوئی شخص خیرات کر دے تب بھی قربانی کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہم پر ایسا

سخت دور بھی آیا کہ کئی کئی وقت کھانے کو نہ ملتا تھا۔ صرف چند کھجوروں پر کئی کئی دن گذر جاتے تھے۔ اور بعض اوقات تو صرف گٹھلیاں چوس چوس کر صحابہؓ نے وقت گزارا ہے۔ مگر باوجود اتنی تنگی اور سختی کے بھی قربانی کی کئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ قربانی کا روپیہ ان لوگوں کو دیدو۔ حالانکہ ان سے زیادہ اور کون مزدورت مند ہوگا۔ اور اس سے زیادہ کون سا دور سخت ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قربانی ہی کرنا ضروری ہے۔ قیمت یا روپیہ دینا کافی نہیں ہو سکتا۔ یہی راز ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر ایک گائے میں چھ حصہ دار تو قربانی کے حصے لیں۔ اور ایک حصہ کوئی شخص گوشت کرنے کو لے لے تو ان چھ آدمیوں کی بھی قربانی نہیں ہوئی۔ کیونکہ قربانی کا مقصود جان دینا ہے جس کا تجزیہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سب کی قربانی بیکار گئی۔ تو اگر گوشت مقصود ہوتا تو سب کی قربانی ہو جاتی۔ اسی طرح جانور میں شرطیں ہیں کہ اندھانہ ہو، لنگڑا نہ ہو، وغیرہ۔ تو اگر گوشت مقصود ہوتا تو یہ شرطیں کیوں ہوتیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دراصل گوشت مقصود ہے ہی نہیں بلکہ اصل جان دینا ہے۔

اس کے بعد یہ سنئے کہ قربانی ہر جگہ کرنا ضروری ہے۔ یہ جو کہا جا رہا ہے کہ صرف مکہ میں ہی قربانی ہو سکتی ہے۔ یہ غلط ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ مدینہ منورہ میں کسی شخص نے قبل نماز قربانی کر دی اور اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ حضور میں نے قربانی کر دی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قربانی نہیں ہوئی "شاة لحم" یہ گوشت کی بکری ہوگئی۔ اور یہ واقعہ مدینہ منورہ میں ہوا۔ اس لئے کہ عید کی نماز مکہ معظمہ میں نہیں ہوتی۔ وہاں پر خدا تعالیٰ نے معاف کر دی ہے۔ کیونکہ ارکان حج ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ تو اس جگہ قربانی کو خدا تعالیٰ نے نماز کے ساتھ جوڑا۔ اس میں پتہ دیا۔ اس بات کا کہ جس طرح نماز کے اوقات مقرر ہیں اسی طرح قربانی کا بھی وقت مقرر ہے کہ دسویں تاریخ کو نماز عید کے بعد بارہویں کے غروب آفتاب تک اس کا وقت ہے۔ اگر بارہویں کے غروب کے بعد یا عید کی نماز سے قبل تنہا اونٹ بھی ذبح کئے تو اتنا ثواب نہ ہوگا جتنا اس وقت میں ایک حصہ کرنے کا، تو یہ عبادت بھی نماز کی طرح ہے۔ کہ تن کا وقت متعین ہے مکان متعین نہیں۔

قربانی کا ہر جگہ ضروری ہونا یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے لئے دلیل بیان کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ آج عوام کی دینی حالت اس قدر مضاعف ہو گئی ہے کہ ایسی ظاہر باتوں میں بھی ان کو شبہات پیدا ہونے لگے۔ اصل یہ ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے ثبوت کے لئے قرآن و حدیث کی ضرورت نہیں پڑتی۔ (اگرچہ اس کا ثبوت قرآن و حدیث میں بکثرت موجود ہے) مثلاً ہم کو اس کا علم ہے کہ زمین پر "بنواد" بھی ایک شہر آباد ہے۔ حالانکہ ہم نے کبھی بغداد کو دیکھا نہیں، مگر چونکہ ساری دنیا اس کے وجود